سید حسن غزنویؒ کی دینی و علمی خدمات کا جائزہ

An Overview Of The Scholarly & Religious Services Of Syed Hasan Ghaznavi (R.A)

صفیہ آفتاب (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ کراچی)
نوشین بانو (ریسرچ اسکالر، شعبہ اصول الدین، جامعہ کراچی)
مہرینہ (ریسرچ اسکالر، شعبہ قرآن وسنہ، جامعہ کراچی)

ABSTRACT
Syed Hassan of Ghaznain was an ancient Persian poet from 1078. We knew very little about his life and poetry until Dr. Ghulam Mustafa Khan (1912-2005), a renowned scholar did his extensive Ph.D. thesis on him from Nagpur University in 1946. During his research, he visited several libraries of the subcontinent as well as brought together Hassan's poetry collection from London and Paris. Hassan Ghaznavi was a court poet of Bahram Shah Ghaznavi and also spent some time which Sultan Sanjar of Khorasan. The references of his life and beautiful poetry are mentioned in this article.

Keyword: Syed Hasan Ghaznavi, Poet of Persian, Famous Persian Poet.

ڈاکٹر غلام مصطفٰی خانؒ کی عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کی تصانیف کی تعداد تقریباً سو کے قریب ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے نہ صرف اردو زبان و ادب، قواعد و املا پر بے مثل کام کیا ہے بلکہ فارسی کے کئی قدیم شعراء کی حیات و تصانیف، کئی علمائے کرام کے ملفوظات، مکتوبات، تاریخِ بہرام شاہ غزنوی (انگریزی)، اسلامی اور غزنوی عَلم، فارسی پر اردو کا اثر، توضیحِ مصطلحاتِ صوفیہ، اسلامی تصوف اور مثنوی مولانا رومؒ، علامہ سیوطیؒ اور علمِ لغت، حافظ کے قصیدے (غزلیات کے بجائے قصائد سے ان کا مرتبہ متعین کیا ہے) جیسے اہم تحقیقی کام فارسی میں بھی کیے ہیں۔ سید حسن غزنویؒ، حیات اور ادبی کارنامے میں ڈاکٹر صاحبؒ نے فارسی کے بزرگ شاعر سید حسن غزنویؒ کی حیات اور فکر و فن کا محققانہ جائزہ لیا ہے۔ اس تحقیق پر میرا ایک مضمون ''سید حسن غزنویؒ حیات اور ادبی کارنامے پر ایک نظر'' ماہنامہ قومی زبان (کراچی: اکتوبر ۲۰۱۵ء) میں شائع ہو چکا ہے۔ موجودہ مضمون اسی موضوع پر مزید اضافے کے بعد شائع کیا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحبؒ تحقیق میں جزئیات پر گہری نظر رکھتے تھے اور کتبِ تواریخ پر دسترس کو بے حد اہمیت دیتے تھے۔ ان کے مطابق ''ادبی تحقیق میں وہی زیادہ تر کامیاب رہے ہیں جنھیں زیرِ تحقیق عہد کی تاریخ کے اہم اور مستند بنیادی مآخذ تک رسائی حاصل تھی اور جو ادبی حقائق کو تاریخ کی روشنی میں دیکھنے کے قابل تھے۔''(۱) تحقیق کے ساتھ تنقید کو لازمی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''تحقیق کی روح اور جان تو یہی ہے کہ حقائق کی تلاش کی جائے اور اچھی طرح چھان بین کی جائے اور وہ بلاشبہ نامکمل ہے اگر تعبیر و تشریح کے ساتھ نہ ہو یا بالفاظِ دیگر اگر اس کے ساتھ تنقید نہ ہو۔''(۲) سید حسن غزنویؒ پر ان کی تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے نہ صرف

ادبی حقائق کو تاریخ کی روشنی میں دیکھا ہے بلکہ اپنی تحقیق کو تنقید کے ساتھ پیش کیا ہے۔ڈاکٹر اسلم فرخی لکھتے ہیں: ''ڈاکٹر صاحبؒ اپنی تحقیق میں خارجی اور داخلی شہادتوں پر پوری توجہ کرتے ہیں۔سید حسن غزنویؒ میں داخلی شہادتوں سے تحقیق کا حق بڑے مناسب انداز میں ادا کیا گیا ہے اور تحقیق کا اعلی معیار پیش کیا گیا ہے۔ڈاکٹر صاحب استخراجِ نتائج میں تمام پہلوؤں پر نظر رکھتے ہیں۔ بڑے غور و فکر کے بعد کسی نتیجے پر پہنچتے ہیں اور پھر اس پر قائم رہتے ہیں۔ منسوبات کے حوالے سے ڈاکٹر صاحبؒ کے یہاں تحقیق کے بڑے اعلیٰ اور معیاری نمونے ملتے ہیں۔''[۳]

ڈاکٹر صاحبؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن جبل پور سے حاصل کی۔ علی گڑھ سے ۱۹۲۹ء میں میٹرک پاس کیا اور ۱۹۳۶ء تک دو ایم۔اے اور ایل ایل بی کے امتحانات پاس کیے اور جبل پور واپس چلے گئے۔چند ماہ بعد ناگ پور یونیورسٹی سے ملحقہ کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی (برار) میں پڑھانے لگے۔ یہاں دس سال اور مارس کالج ناگ پور میں قریب ایک سال پڑھایا۔[۴] حسن غزنویؒ پر تحقیق کرنے کا مشورہ ان کے استاد نے دیا۔ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں: ''علی گڑھ کے قیام کے زمانے میں بعض اساتذہ کے تحقیقی کاموں کو دیکھ کر مجھے بھی تحقیق کا شوق پیدا ہوا۔ وہاں سے آنے کے بعد فاضل یگانہ پروفیسر ضیاءاحمد بدایونیؒ (م۔۱۹۷۳ء) سے زیادہ تعلق رہا۔ چناچہ انھوں نے ۴مارچ ۱۹۳۸ء کو مجھے گرامی نامہ لکھا اور مشورہ دیا کہ سید حسن غزنویؒ پر کام کرو۔ میں نے ناگ پور یونیورسٹی کو اس موضوع پر کام کرنے کی اجازت کے لیے درخواست دی اور وہ منظور ہو گئی۔ پھر میں نے علی گڑھ، حبیب گنج، رام پور، بریلی، کاکوری، لکھنو کے مختلف کتب خانے، ریواں ریاست، پٹنہ، الہ آباد، بھوپال، عثمانیہ یونیورسٹی، آصفیہ لائبریری، بمبئی کے مختلف کتب خانے اور برہان پور وغیرہ کے کتب خانے دیکھے۔ وہاں سے شاعر کے کلام اور اس کے متعلق تاریخیں اور تذکرے تلاش کیے۔ پھر لندن اور پیرس سے اس شاعر کے دیوان کے عکس حاصل کیے۔اس معاملے میں ناگ پور یونیورسٹی نے مجھ سے ہر طرح کا تعاون کیا بلکہ میرے بعض تحقیقی مقالات کی بنا پر مجھے بغیر نگراں کے کام کرنے کی اجازت مل گئی۔''[۵]

ڈاکٹر صاحبؒ حبیب گنج میں حبیب الرحمٰن خان شروانی سے ملے تھے، پھر رام پور گئے تھے۔اپنے دو خطوط بنام امتیاز علی عرشی صاحب میں شروانی صاحب نے ڈاکٹر صاحبؒ کی اس تحقیق کا ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں خطوط نقوش کے مکاتیب نمبر ۶۵،۶۶ میں شائع ہو چکے ہیں۔ اپنے پہلے خط میں وہ لکھتے ہیں ''غلام مصطفٰے خان ایم اے (علیگ) رام پور آتے ہیں۔ سید حسن غزنویؒ کے متعلق ریسرچ کر کے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری لینی چاہتے ہیں۔ یہاں بھی اس سلسلے میں آتے رہے، جو سرمایہ تھا پیش کر دیا گیا۔اب رام پور آتے ہیں۔آپ سے اگرچہ مراسلت کر چکے ہیں تاہم میرے شوقِ ہم کلامی نے ان چند سطور کی تحریر پر آمادہ کیا۔'' حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۱۹،اکتوبر ۱۹۳۸ء۔[۶]

دوسرے خط میں لکھتے ہیں: ''غلام مصطفٰے خان جو سید حسن غزنویؒ کے کلام کے ریسرچ کے لیے رام پور حاضر ہوئے تھے، ان کی تحریر سے معلوم ہوا کہ دیوانِ حسن کے نو ورق بڑے بڑے کتاب خانہ ریاست میں ہیں۔ دل سے ممنون ہوں گا اگر بہ توجہ سامی

ان کی نقل یہاں آجائے، اجرت ادا ہو گی۔" حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۱۔ دسمبر ۱۹۳۸ء نیاز مند۔ حبیب الرحمن۔ [۷]

ڈاکٹر صاحبؒ نے لکھا ہے: "نواب صاحب نے اپنا پورا کتب خانہ (حبیب گنج) میرے مطالعے کے لیے کھول دیا تھا۔ آٹھ دس دن کام کر کے امراؤتی واپس ہوا تو ایک فاضل کا خط ملا کہ اس شاعر پر کام کرنا بہت مشکل ہے۔ میری دل شکنی ہوئی تو نواب صاحب کو خط لکھا۔ انھوں نے بڑی شفقت سے یہ جواب دیا۔ ہرگز خیال نہ بدلنا، ورنہ ہمیشہ مشکلات سے گھبرا کر منہ موڑو گے اور یہ زندگی کی شکست ہے جو کام کر رہے ہو استقلال سے اللہ پر بھروسا کر کے کیے جاؤ۔ سید حسن غزنویؒ پر مقالہ لکھنا مردانہ کام ہے۔ پس مرد بنو جیسے کہ ہو۔" یہ خط ۲۶ نومبر ۱۹۳۸ء کو لکھا گیا۔ [۸]

سید حسنؒ پر یہ مقالہ ۱۹۴۶ء، ۱۳۶۷ھ میں پیش کیا گیا تھا۔ مقالے کے دو حصّے تھے ایک شاعر سے متعلق تھا جو اردو میں تھا اور دوسرا شاعر کے ممدوح سے متعلق تھا اور وہ انگریزی میں تھا (A History of Bahram Shah of Ghaznan) جو لاہور سے ۱۹۹۴ء میں اور کراچی سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا اس کا پیش لفظ ڈاکٹر محمد شفیع صاحب نے لکھا ہے۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے صرف اردو والے حصّے پر ڈگری کی سفارش کی تھی اور ڈاکٹر ہادی حسن نے صرف انگریزی والے حصّے کو ڈگری کے لیے کافی سمجھا تھا۔ مولوی عبدالحق صاحب اسے دہلی سے شائع کرنا چاہتے تھے لیکن یہ مقالہ اور دوسری کتابیں ۱۹۴۷ء کے اواخر میں نذر آتش ہو گئیں۔ علامہ ڈاکٹر محمد شفیع صاحب نے ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین (اگست ۱۹۴۸ء تا فروری ۱۹۵۰ء) کے طور پر یہ مقالہ شائع کیا۔ [۹]

سید حسن غزنوی بہرام شاہ (غزنین) کے درباری شاعر تھے، اور سلطان سنجر (خراسان) سے بھی وابستہ رہے اس تحقیق کے دوران ڈاکٹر صاحب کی نظر ان کے معاصر شعراء، متقدمین اور متاخرین پر بھی رہی اور اکثر جگہ مختلف شعراء کے کلام سے موازنہ بھی کیا ہے۔ دیگر کتب کے حوالوں کے علاوہ اپنی کتاب تاریخِ بہرام شاہ غزنوی، تذکرہ دولت شاہ بن بہرام شاہ، نسائی، عمادی، معزی، برہانی، سوزنی، ادیب صابر، اسلامی اور غزنوی علم پر اپنے مضامین جو معارف میں شائع ہوئے، ان سب سے حوالے دیے ہیں جو تفصیل سے حواشی میں موجود ہیں۔ تقریباً ساڑھے تین سو صفحات (مع حواشی۔ جو خود قدیم فارسی شعراء کا اہم مآخذ ہے) پر مشتمل اس کتاب سے میں نے سید حسن کے حالاتِ زندگی اور کلام کا مختصر ذکر لیا ہے طوالت کے خیال سے قصائد اور غزلیات کے بھی چند اشعار دیے ہیں۔

ڈاکٹر صاحبؒ کی تحقیق کے مطابق "حسن غزنوی سنائی (م۔ ۵۴۵ھ) کا معاصر تھا اور اس نے ایران و افغانستان کے مختلف مقامات بلکہ ہندوستان کی بھی سیر کی تھی۔ بغداد کے بعد وہ مدینہ منورہ بھی حاضر ہوا اور حضور انور ﷺ کی خدمت میں ایک فارسی ترجیع بند پیش کیا جس کا ترجیعی شعر عربی میں یہ تھا۔

سلّموا یا قوم بل صلّوا علی الصدر الامین۔ مصطفٰی ماجآء الّا رحمۃ للعالمین

یہ شعر آج بھی مقبول ہے۔ اس ترجیع بند کے چھ بند ہیں۔" [۱۰]

کئی مشہور لغات جن میں منشی محمد پادشاہ کی فرہنگِ آنند راج، مصطلحات الشعراء (نول کشور پریس، کان پور۔ ۱۸۹۸ء) فرہنگِ

جہانگیری (لکھنو ۱۸۷۶ء۔ جلد اوّل)، سند باد نامہ، المعجم فی معاییر، اشعار العجم اور راحت الصدور میں سید حسن کے کئی اشعار بطورِ سند پیش کیے گئے ہیں، جن کی مثالیں ڈاکٹر صاحبؒ نے دی ہیں۔ سید حسن اپنے معاصرین اور متاخرین میں بھی مقبول تھے۔ [۱۱] ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں: سید حسن کی سب سے زیادہ مقبولیت غالباً یہ ہے کہ سلطان بہرام شاہ (م ۵۵۲ھ) کے ایک سکے میں اس کا شعر کندہ تھا۔ راورٹی (طبقات ناصری۔ ص ۱۱۰۔ نوٹ نمبر۔۱) نے لکھا ہے کہ بہرام شاہ کے سکے کی پشت پر یہ شعر کندہ تھا۔

منادی بر آمد ز ہفت آسماں۔ کہ بہرام شاہ است شاہ جہاں [۱۲]

سید حسن کے کلام کی ایک اور اہمیت ڈاکٹر صاحبؒ کے مطابق یہ ہے کہ اس میں بہرام شاہ اور سلطان سنجر کے تاریخی واقعات کے اشارے بہت ہیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں: ''سید حسن اور اس کے معاصرینِ نظم و نثر کے کلام سے جو تاریخی اشارات جمع ہوئے تھے ان سے تاریخِ بہرام شاہ غزنوی (انگریزی) لکھنے میں مدد ملی۔'' [۱۳]

حسن غزنوی کے حالاتِ زندگی کی تفصیل دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحبؒ نے ٹیپو سلطان شہید علیہ الرحمتہ کے مجموعے میں سے سید حسن غزنویؒ کا دیوان جو انڈیا آفس (Ethe No 931) لندن میں محفوظ ہے، کے مقدمے میں سے کچھ اقتباسات درج کیے ہیں۔ جن سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ مقدمہ کا لکھنے والا شاعر کا شاگرد یا معتقد ہے، جس کا بیس سال سے تعلق ہے اور وہ ایک مدت اپنے استاد کے ساتھ رہا ہے۔

۲۔ شاعر کا پورا نام مع القاب یہ ہے۔ سید امام اجل، عمدۃ الدین، عمدۃ الاسلام، افضل الزمان، اشرف العالم، مفخر اللسانین، محترم الحرمین، ذوالشہادتین، ابوالعلی حسن بن محمد الحسینی الغزنوی۔

۳۔ شاعر کا انتقال ابوالقاسم محمود خان (المتوفی۔ ۵۵۷ھ ۱۱۶۲ھ) کی حکومت کے زمانے میں ہوا۔

۴۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے عربی اشعار بھی خاصی بڑی تعداد میں لکھے ہوں گے۔ اس کی دوسری تصانیف کے متعلق بھی اشارے ملتے ہیں لیکن سوائے کلیاتِ فارسی کے سب ناپید ہیں۔

ڈاکٹر صاحبؒ کی تحقیق کے مطابق ''شاعر کا نام حسن تھا اور حسینی سید ہونے سے متعلق اس کے اشعار سے شہادت ملتی ہے۔ شاعر کے القاب مختلف تذکروں میں مختلف ہیں۔ تاج الدین دو جگہ ہے۔ اشرف الدین یا اشرف شاگرد کے مقدمے اور راحت الصدور میں اکثر مقامات پر یہی لقب پایا جاتا ہے متاخرین میں مزید لقب بھی ملتے ہیں۔ شاعر کے والد کا نام شاگرد کے مقدمہ مذکورہ میں اور راحت الصدور میں محمد ہے اور یہی درست مانا جائے گا۔ شاعر کے وطن کے متعلق سب تذکرے متفق ہیں کہ وہ غزنین کا ہے اور شاگرد کی تصدیق کے بعد کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اہل غزنین تو اب بھی پورے آٹھ سو سال گزر جانے کے بعد اس پر فخر کرتے ہیں۔ شاعر کے سالِ ولادت کے متعلق تاریخوں اور تذکروں سے معلوم نہیں ہوتا لیکن کلام سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ ۴۸۰ھ۔ ۱۰۸۷ء تک ضرور پیدا ہو چکا ہو گا۔ تتمہ صوان الحکمہ (ص۔۹۶۔ فارسی۔ لاہور ۱۹۳۹ء) سے معلوم ہوتا ہے کہ سید حسن غزنویؒ کے استاد محمد بن مسعود

غزنوی تھے۔ جو فلسفی، ادیب اور مہندس بھی تھے اور انھوں نے فلسفہ پر ایک کتاب احیاء الحق لکھی تھی۔ چونکہ حسن کا صرف کلیات ملتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنے استاد سے صرف ادب کی تعلیم حاصل کی۔ کیوں کہ اس کے کلام میں فلسفہ یا دوسرے علوم کا کوئی عکس نظر نہیں آتا۔"[۱۴]

اس کے انتقال کا مقام غزنین سب سے پہلے دولت شاہ کے یہاں ملتا ہے، اس کے بعد مختلف تذکروں میں اسی کی نقل ہے۔[۱۵] ڈاکٹر صاحبؒ نے شاعر کے وفات کے سال کے لیے بھی کئی تواریخ اور تذکروں سے شواہد اکھٹے کیے ہیں اور اس کی وفات کا سال ۵۵۶ھ۔۱۱۶۱ء متعین کیا ہے۔[۱۶] حسن غزنویؒ کے حالاتِ زندگی کے متعلق تاریخ اور تذکروں میں بہت کم ملتا ہے البتہ اس کے کلام سے بہت کچھ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے سید حسن غزنویؒ کے مختلف ممالک کے دوروں کا ذکر کیا ہے اور لکھتے ہیں "وہ ۵۱۳ھ۔۱۱۱۹ء میں بہرام شاہ کے ساتھ ہندوستان آیا تھا اور کچھ دن اس نے قیام بھی کیا تھا چناں چہ سید حسن کے کلام میں ہندوستانی الفاظ بھی ملتے ہیں اور اس کا کچھ کلام ہندوستان میں بھی مقبول ہوا ہے۔ اس سلسلے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہماری اردو زبان کی داغ بیل گو کہ عربوں اور ہندیوں کے میل جول سے پڑ چکی تھی لیکن باقاعدہ اس کا سلسلہ غزنویوں کے عہد سے چلتا ہے جب ہندوستانی لونڈی غلام بکثرت غزنین گئے اور غزنین کے لوگ یہاں آئے۔"[۱۷] ڈاکٹر صاحبؒ نے حسن کے کلام سے اردو کی کئی مثالیں دی ہیں جن میں سے ایک دیکھیے: ایک لفظ قرنفل ہے جو کرن پھول کا مفرس ہے۔ اسے شاعر نے بڑی خوبصورتی سے استعمال کیا ہے۔

خورشید گل فروش و مہ لالہ پوش را۔ در بندِ مشک و دام قرنفل فگندہ[۱۸]

سید حسن غزنویؒ نے ایسے زمانے میں آنکھ کھولی جب کہ فارسی کے بڑے بڑے شعرا پیدا ہو چکے ہیں اور خود معاصرین میں معزی (م ۵۴۲ھ۔۱۱۴۷ء)، سنائی (م ۵۴۵ھ۔۱۱۵۰ء)، عمادی (م تا ۵۴۵ھ۔۱۱۵۰ء)، عثمان مختاری (م ۵۴۴ھ۔۱۱۴۹ء)، ادیب صابر (۵۴۷ھ۔۱۱۵۲ء)، وطواط (م ۵۷۸ھ۔۱۱۸۲ء)، سوزنی (م ۵۶۹ھ۔۱۱۷۳ء) جیسے متعدد اکابر شعرا موجود تھے اور ان سب کی شاعری کا دار و مدار زیادہ تر قصیدہ گوئی پر تھا۔ چناچہ حسن نے بھی اپنی شاعری کی ابتدا قصیدہ گوئی سے کی۔[۱۹] سید حسن کے قصائد کی تعداد ۹۵ ہے اور ان کے اشعار کی تعداد کم و بیش پونے تین ہزار ہے اس کے یہاں پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ واقعات اور حالات کے متعلق مختلف اہم اشارات ملتے ہیں۔ جن سے ایک طرف اگر اس عہد کی تاریخ میں مدد ملتی ہے اور دوسری طرف خود شاعر کی قدر دانی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ سید حسن نے ۵۰۰ھ سے ۵۵۶ھ تک یعنی کم از کم ۵۵ سال مدح سرائی کی ہے۔ متعدد وزرا، امرا اور سلاطین کے نام کو زندہ کیا ہے۔ اس طرح اس عہد کی تاریخ کو مرتب کیا ہے۔[۲۰]

ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں "اس کے شروع کے قصائد سادہ تمہید کے ساتھ ہیں۔ مثلاً ۵۰۰ھ میں وہ ایک قصیدہ لکھتا ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے۔

نسیم عدل ہمی آید از ہوای جہان۔ شعاعِ بخت ہمی تابد از نقای جہان

دو تین شعر میں تمہید ختم ہو گئی اور کوئی خاص خیال بندی یا لطافت نہیں ہے۔ لیکن اسی سال ایک قصیدہ بہاریہ تمہید کے ساتھ لکھا جس میں نئی نئی تشبیہات واستعارات کا نگار خانہ سجایا ہے اور قدما کی طرح ہم وزن الفاظ کا التزام بھی ہے۔ یہ بہرام شاہ غزنوی کی مدح میں ہے۔ اس کا ایک شعر دیکھیے۔

روی بستانِ بنفشہ زلفِ لالہ رخ نمود۔ پرز چشمِ نرگس وابروی سیمین برشود

غرض کہ اس قسم کے متعدد اشعار تمہید میں ملتے ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ خراسانی ممدوح کے متعلق جو قصیدے ہیں ان میں نہ تو ایسی طویل تمہید ہے اور نہ ایسی لطیف تشبیہات واستعارات۔ لیکن جو قصیدے سید حسن نے غزنوی دربار میں لکھے ہیں وہ انھیں تصنعات سے پر ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس قسم کے اشعار غزنوی دربار میں پسند کیے جاتے تھے اور وہاں کا علمی وادبی ذوق خراسان سے بلند تھا گو کہ اس میں شک نہیں کہ خراسان کی زبان اس زمانے میں ٹکسالی سمجھی جاتی تھی۔"[۲۱]

ڈاکٹر صاحبؒ نے حسن کے متعدد قصائد سے مثالیں دی ہیں اور ان کی دل کشی، دل آویزی، اوصاف نگاری، رنگینی ولطافت، ندرت وجدت، روانی، برجستگی، تشبیہات واستعارات کی فراوانی کا بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "تخلص میں بھی برجستگی ہے لیکن دعائیہ اشعار میں کوئی گدایانہ استدعا یا خوشامد نظر نہیں آتی۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ ہوگی کہ شاعر کو اکثر و بیشتر نوازا گیا ہوگا۔ کیوں کہ اس کے یہاں بہت کم ممدوح کی بے التفاتی کا ذکر ملتا ہے اور دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شاعر کو اپنے فضل وکمال کا احساس ہے اور خودی کا بھی پاس ہے۔"[۲۲] سید حسن کی تقلید میں کئی شعرا نے قصیدے لکھے ہیں جن کی مثالیں ڈاکٹر صاحب نے دی ہیں اور لکھا ہے: "اس کے ایک قصیدے کے متعلق دولت شاہ کا خیال ہے کہ اسی سے فخریہ قصیدے کی ابتدا ہوئی ہے۔"[۲۳] ڈاکٹر صاحبؒ نے سید حسن سے پہلے کے شعرا کے قصائد کے نمونے بھی دیے ہیں جن کی تقلید اس نے کی ہے لیکن اپنے قصائد میں تشبیہات، استعارات، جدتِ طبع، رعایتِ لفظی ومعنوی اور صنعتِ تضاد سے وہ کمال پیدا کیا ہے کہ ان تمام شعرا سے اس کا مقام بلند نظر آتا ہے۔

سید حسن کے یہاں سولہ ترجیع بند اور دو ترکیبِ بند ملتے ہیں۔ جن کا ہر بند ہمیشہ سات شعر کا ہے اور بندوں کی تعداد تین سے لے کر نو تک ہے۔ اس طرح مجموعی اشعار ۴۲۷ ہوتے ہیں۔ ان اصنافِ سخن کی ابتدا بھی غزنوی دور (فرخی) سے ہوتی ہے۔ لیکن شاید سب سے پہلا نعتیہ ترجیع بند حسن ہی نے لکھا تھا جب ۵۴۶ھ کے اوائل میں وہ مدینہ طیبہ پہنچتا ہے تو وہ سات بند کا ایک ترجیع بند پڑھتا ہے۔ بقیہ پندرہ ترجیع بند سنجر کے وزیر، سلجوقی سلاطین اور غزنوی دربار سے تعلق رکھتے ہیں اور دونوں ترکیبِ بند غزنوی دربار سے متعلق ہیں۔[۲۴] سید حسن کے یہاں قطعات بھی متعدد ملتے ہیں، جن کے اشعار کم از کم ساڑھے تین سو ہوں گے۔ ان میں مختلف ممدوحین کی مدح اور مختلف واقعات کا حال ملتا ہے، بعض قطعات میں وہ دنیا والوں سے بیزار نظر آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے فضل وکمال کی وجہ سے لوگ اس کے دشمن اور حاسد تھے۔ ایک رباعی میں یہ بھی کہتا ہے۔

یک دوست توئی وصد ہزاران دشمن[۲۵]

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ''اس قسم کے مضامین نظر آتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کی زندگی مدح سرائی کے باوجود بے جا حرص و آز سے پاک تھی اور دنیوی مکروہات سے بے نیاز تھی۔ وہ زمانے کے معمول کے خلاف ہجو نگاری سے پرہیز کرتا تھا۔''[۲۶]

جہاں تک غزل کے اصل موضوع یعنی داستانِ حسن و عشق کا تعلق ہے۔ شاعر یہاں بھی فن کی بلندیوں پر نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے قدیم غزل گو شعرا میں سے رودکی (۳۱۹ھ۔ ۹۴۱ء)، دقیقی طوسی (م ۳۴۱ھ۔ ۹۵۲ء) کی غزلیات میں سے مثالیں دی ہیں اور بتایا ہے کہ اس دور کی غزل میں تسلسل اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ طرزِ بیان اور خیالات سادہ ہیں۔ کوئی خاص تصنع نہیں ہے۔ غزنوی عہد کی غزلوں میں سے خود سلطان محمود غزنوی کی ایک غزل ''بزم آرا'' کے حوالے سے نقل کی ہے اور مزید کہتے ہیں: ''اس میں محمودی اوصاف پائے جاتے ہیں۔ تشبیہات و استعارات میں لطافت ہے لیکن جذبات کی فراوانی ایک شاہانہ عاشق کے یہاں کیوں کر ہوگی؟''[۲۷] اس کے بعد عنصری (م ۴۳۲ھ۔ ۱۰۴۰ء) اور مسعود سعد سلمان (۵۱۵ھ۔ ۱۱۲۱ء) کی غزلیات سے نمونے دیے ہیں اور لکھا ہے: ''مضامین میں تسلسل اور ہم آہنگی ہے لیکن خیالات میں تکلف اور تصنع نہیں ہے۔''[۲۸]

اس تحقیق کے بعد ڈاکٹر صاحبؒ سید حسن کے مشہور ہم عصر سنائی (م ۵۴۵ھ۔ ۱۱۵۰ء) کے لیے لکھتے ہیں: ''غزل اس کے یہاں ایک نئی کروٹ لیتی ہے۔ لیکن سید حسن کے یہاں بھی خمریات اور مستی کے مضامین ملتے ہیں۔ چناں چہ یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ ان دونوں میں پہلے کس نے ابتدا کی۔''[۲۹]

سید حسن نے اپنے الفاظ و بحور کا انتخاب اس صنفِ سخن کے لیے اس طرح کیا ہے کہ اس سے اس کی مہارت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس کے یہاں ۷۰۔ ۷۵ غزلیں ہیں جن میں تقریباً سات سو اشعار ہیں اور وہ سب کے سب اس کے قلبی واردات کے ترجمان ہیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں: ''اگر غزل سے حقیقی اور ذاتی جذبات ہی کا تعلق ہونا چاہیے اور وہ قصیدے کے تصنعات سے آزاد ہے تو ہم کو یہ کہنے میں تامل نہیں ہے کہ سید حسن نے تقریباً ۵۰ سال کی مدح سرائی کے باوجود غزل اپنے لیے لکھی اور اپنے دلی جذبات کے لیے اسے وقف کیا ورنہ اس طرح صاف صاف نہ کہتا:

عشق بازی صدم افزون افتاد۔ لیک زین سان نہ کہ اکنون افتاد

اس شاعر کے قصائد میں تشبیہات و استعارات اور دوسرے صنائع کی فراوانی دیکھتے ہیں لیکن غزل میں حقیقت نگاری ہے۔ اس لیے سادگی و سلاست پائی جاتی ہے۔ تصنعات ہیں بھی تو بہت کم ہیں۔ اس کے علاوہ غزل میں مضمون کا تسلسل جو سعدی کے یہاں عام ہے وہ سید حسن کے یہاں پہلے سے موجود ہے دیکھیے کس قدر ربط اور تسلسل اس غزل میں ہے:

منم در عشق تو جانا و جانی ۔ کشیدہ پوستے بر استخوانی

نہ جز گریہ مرا پشت و پناہی۔ نہ جز نالہ مرا نام و نشانی

اس کے یہاں حقیقی جذبات اور دلی واردات جو غزل کی جان ہیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔''[۳۰]

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں: ''اس کے یہاں تصوف کی چاشنی بھی ہے اور سعدی کی طرح یہ بھی ہر چیز کو معشوقِ ازلی سے متعلق دیکھتا ہے۔ چند شعر دیکھیے:

قمری اندر بہار یارِ من ست۔ مونسِ نالہ ہای زار من ست

فاختہ طوقِ عشق بر گردن۔ در غم دوست غم گسار من ست

اس قبیل کی کئی غزلیں ہیں جن میں شاعر ہمہ اوست کا دم بھرتا ہے اور ہر جگہ اپنے معشوق کا جلوہ دیکھتا ہے۔''[۳۱]

اس کے یہاں غزل میں سادگی و سلاست ضرور ہے لیکن ساتھ ہی قوتِ متخیلہ کے ایسے بلند نمونے بھی ملتے ہیں جو اس کے معاصرین میں بہت کم ہیں۔ یہ شعر دیکھیے:

ای کہ گل جامہ زر نگ رخ تو چاک زدہ ست۔ جان ببوی تو نواہای طرب ناک زدہ ست

اس کے علاوہ رواج کے مطابق اس کی غزلوں میں بادشاہ کا نام بھی آجاتا ہے۔''[۳۲] ڈاکٹر صاحب نے اس کی ایک غزل کے لیے لکھا ہے: ''اس پر متاخرین کی غزلیں بھی قربان ہیں۔'' اس غزل کے یہ شعر دیکھیے:

ای آرزوی دیدۂ بینا چگونہ ۔ وی یار و مونسِ دلِ تنہا چگونہ

از ناز و ناز کی اگراین جانہ آمدی۔ باری یکی بگوی کہ آن جا چگونہ[۳۳]

ڈاکٹر صاحبؒ نے کئی شعرا کے کلام سے مثالیں دی ہیں۔ جنھوں نے اس زمین میں سید حسن کی تقلید کی ہے اور لکھا ہے: ''اس کے لیے یہ فخر کیا کم ہے کہ کئی قصیدوں اور غزلوں میں اس کے متعدد مقلدین نظر آتے ہیں۔''[۳۴]

ڈاکٹر صاحبؒ نے شاعر کے کلام سے کئی رباعیات کی مثالیں بھی دی ہیں اور لکھا ہے: ''تاریخ جیسے خشک مضامین سے لے کر مدحیہ مضامین تک سب اس کی رباعی میں ملتے ہیں۔''[۳۵] رباعیات اور دوبیتی میں لطافت، جدت، ندرت، حسنِ تعلیل، لطیف جذبات اور حسرت ویاس سے شاعر نے کمال پیدا کر دیا ہے۔ تشبیہات اور حسنِ تعلیل کا ایک اور مجموعہ اس ''دوبیتی'' میں دیکھیے:

از رنگ لبِ تو لالہ پر تاب شدہ ست۔ نرگس زپیِ چشم تو بی خواب شدہ ست

از رشک خطت بنفشہ در تاب شدہ ست۔ وز آتشِ رخسار تو گل آب شدہ ست (۳۶)

ڈاکٹر صاحبؒ نے محققین کے لیے ذوقِ تحقیق کو لازمی قرار دیا ہے۔[۳۷] سید حسن غزنوی پر ان کی تحقیق کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اس ضمن میں پیش آنے والی تمام مشکلات کا بحسن وخوبی سامنا کیا ہے۔ حواشی سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کے کلام کا جو نسخہ برٹش میوزیم میں ہے اس میں اور دوسرا نسخہ جو انڈیا آفس میں ہے ان دونوں کے اشعار میں جو معمولی فرق تھا اس کی اصلاح کے لیے ڈاکٹر صاحبؒ نے متعدد اکابرین کو لکھا تھا لیکن کہیں سے مدد نہ مل سکی تھی۔[۳۸] اسی طرح ایک قصیدے کی زمین کی تصدیق کے لیے کہ اس کا موجد مسعود سعد سلمان ہی ہے، ڈاکٹر صاحبؒ نے کئی مطبوعہ اور قلمی نسخے اور کئی کتب خانوں میں اسے تلاش

کیا لیکن اس سے منسوب اس زمین کا کوئی قصیدہ نہیں ملا۔[۳۹] ڈاکٹر صاحبؒ کی یہ تحقیق ایک مثالی ہے کہ حقائق کی تلاش میں دشواریوں کا سامنا کرنا، اردو کے علاوہ دیگر زبانوں سے واقفیت، کتبِ تواریخ پر نظر اور ضروری مواد تک رسائی لازمی ہے اور یہ ''تحقیق کے بنیادی لوازم''میں سے ہیں۔

مآخذ

۱۔غلام مصطفٰی خان،ڈاکٹر،تاریخِ اسلاف(حیدر آباد:اشاعتِ اوّل:۱۳۸۳ھ،۱۹۶۴ء)ناشر کا نام درج نہیں

۲۔غلام مصطفٰی خان،ڈاکٹر،نواب محمد حبیب الرحمن خان شروانی مشمولہ طوبیٰ لھم(حیدر آباد:رائل بک ڈپو۔۱۴۱۵ھ،۱۹۹۵ء)

۳۔غلام مصطفٰی خان،ڈاکٹر، تحقیق کے بنیادی لوازم، مشمولہ سراج البیان(کراچی:گاباسنز،۱۹۹۲ء)

۴۔غلام مصطفٰی خان،ڈاکٹر، تنقید و تحقیق، مرتبہ ڈاکٹر اسلم فرخی(کراچی: فضلی سنز،اپریل ۲۰۰۱ء)

۵۔مکتوباتِ نواب محمد حبیب الرحمن خان شروانی بنام امتیاز علی خان عرشی مشمولہ نقوش مکاتیب نمبر:۶۵،۶۶ مرتب، محمد طفیل(لاہور: ادارہ فروغِ اردو نومبر ۱۹۵۷ء)

۶۔غلام مصطفٰی خان،ڈاکٹر،سید حسن غزنوی۔حیات اور ادبی کارنامے،(لاہور: ادارہ یادگارِ شیفتہ بہ اشتراک پاکستان رائٹرس کوآپریٹو سوسائٹی، ۱۴۱۹ھ، ۱۹۹۸ء)

حواشی

۱۔غلام مصطفٰی خان،ڈاکٹر، تحقیق کے بنیادی لوازم، مشمولہ سراج البیان(کراچی:گاباسنز،۱۹۹۲ء)ص ۲۱۳

۲۔ایضاً، ص ۲۱۴

۳۔غلام مصطفٰی خان،ڈاکٹر، تنقید و تحقیق، مرتبہ ڈاکٹر اسلم فرخی(کراچی: فضلی سنز،اپریل ۲۰۰۱ء)ص ۱۰

۴۔غلام مصطفٰی خان،ڈاکٹر،تاریخِ اسلاف(حیدر آباد:اشاعتِ اوّل ۱۳۸۳ھ، ۱۹۶۴ء ناشر کا نام درج نہیں ہے)ص ۱۷،۱۸

۵۔غلام مصطفٰی خان،ڈاکٹر، حسن غزنوی۔حیات اور ادبی کارنامے(لاہور:ادارہ یادگارِ شیفتہ بہ اشتراک پاکستان رائٹرس کوآپریٹو سوسائٹی ۱۴۱۹ھ، ۱۹۹۸ء) ص ۶

۶۔مکاتیبِ حبیب الرحمن خان شروانی بنام امتیاز علی خان عرشی مشمولہ نقوش مکاتیب نمبر ۶۵،۶۶ مرتب: محمد طفیل(لاہور:ادارہ فروغِ اردو نومبر،۱۹۵۷ء) ص ۲۷۵

۷۔ایضاً

۸۔غلام مصطفٰی خان،ڈاکٹر،نواب محمد حبیب الرحمن خان شروانیؒ مشمولہ طوبیٰ لھم(حیدر آباد:رائل بک ڈپو،۱۴۱۵ھ، ۱۹۹۵ء)ص ۳۴،۳۵

۹۔ غلام مصطفٰی خان ،ڈاکٹر، حسن غزنوی۔ حیات وادبی کارنامے (لاہور : ادارہ یادگارِ شیفتہ بہ اشتراک پاکستان رائٹرس کو آپریٹو سوسائٹی ۱۴۱۹ھ، ۱۹۹۸ء)ص ۹

۱۰۔ایضاً، ص ۷،۸

۱۱۔ایضاً، ص ۷۴ تا ۷۷

۱۲۔ ایضاً، ص ۷

۱۳۔ ایضاً، ص ۸، ۹

سید حسن غزنوی، بہرام شاہ غزنوی کے درباری شاعر تھے۔ اسی تعلق سے ایک بات کا ذکر ضروری ہے کہ ایک مرتبہ وہ اپنے کچھ کاغذات مجھ سے نکلوا رہے تھے تو ان کاغذات میں تذکرہ دولت شاہ بن بہرام شاہ کا انگریزی ترجمہ (غیر مطبوعہ) رکھا تھا۔ میں نے ان سے اجازت لی کہ اسے ان ہی کی لکھائی میں چھپوادیا جائے تاکہ محفوظ ہو جائے۔ تذکرۂ دولت شاہ کا یہ ترجمہ ۲۰۰۴ء میں (کراچی: پیراماؤنٹ پرنٹرز اور پبلشرز) Literal English Translation of the First Chapter of Poet's Biographies by Daulat Shah کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کے پہلے صفحے پر ڈاکٹر صاحب نے یادداشت کے طور پر اپنے دستخط کے ساتھ لکھا ہے: ''جب میں علی گڑھ میں ایم۔ اے کا طالب علم تھا تو استاذی ڈاکٹر ہادی حسن صاحب نے فرمایا کہ تم تذکرہ دولت شاہ کا فارسی سے انگریزی میں ترجمہ کرو۔ ان کے ارشاد کے مطابق اس تذکرہ کا کچھ حصّہ ۹ نومبر ۱۹۳۴ء میں مکمل کیا۔ یعنی فارسی نثر کا انگریزی نثر میں اور فارسی شعر کا اکثر انگریزی شعر میں ترجمہ کیا۔''

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۱ تا ۲۱

۱۵۔ ایضاً، ص ۱٦۷

۱٦۔ ایضاً، ص ۱٦۹

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۷۸

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضمون ''فارسی پر اردو کا اثر'' (معارف فروری تا مارچ ۱۹۴۱ء) میں فارسی کے متقدمین اور متوسطین شعرا کے کلام سے اردو الفاظ جمع کیے ہیں۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۷۹

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۳

۲۰۔ ایضاً، ص ۲۳۹ تا ۲۴۱

۲۱۔ ایضاً، ص ۲۴۲

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۵٦

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۰۴

۲۴۔ ایضاً، ص ۲۵۹ تا ۲٦۲

۲۵۔ ایضاً، ص ٦٦۲

۲٦۔ ایضاً، ص ۲٦۹

۲۷۔ ایضاً، ص ۲۷۲

۲۸۔ ایضاً، ص ۲۷۲ تا ۲۷۳

۲۹۔ ایضاً، ص ۲۷۵

۳۰۔ ایضاً، ص ۲۷۸

۳۱۔ایضاً، ص ۲۸۱

۳۲۔ایضاً، ص ۲۸۲

۳۳۔ایضاً، ص ۲۸۴

۳۴۔ایضاً، ص ۲۸۵

۳۵۔ایضاً، ص ۲۸۸، ۲۸۹

۳۶۔ایضاً، ص ۳۴۳

۳۷۔غلام مصطفٰے خان، ڈاکٹر، تحقیق کے بنیادی لوازم، مشمولہ سراج البیان (کراچی: گا باسنز ۱۹۹۲ء) ص ۲۱۲ تا ۲۱۴

۳۸۔غلام مصطفٰے خان، ڈاکٹر، سید حسن غزنوی۔حیات اور ادبی کارنامے (لاہور: ادارہ یادگارِ شیفتہ بہ اشتراک پاکستان رائٹرس کوآپریٹو سوسائٹی ۱۴۱۹ھ، ۱۹۹۸ء) ص ۳۲۲، ۳۲۳

۳۹۔ایضاً، ص ۳۳۲